آں جنابﷺ سے متعلق مغربی رویوں کا پس منظر: یہود و نصاریٰ کے ابتدائی طرزِ فکر و عمل کا مطالعہ

(Background of Western attitudes towards Muhammad: A Study of early thoughts and practices of Jews and Christians)

* ڈاکٹر محمد شہباز منج
**ڈاکٹر ابوالحسن شبیر احمد
**ڈاکٹر صائمہ منیر

Abstract

Orientalists play a key role in the identified adversarial Western attitudes and thoughts about Prophet Muhammad (ﷺ), and it is known that the Orientalists working on Islam and Prophet of Islam have been mostly Jewish and Christians. In this perspective, the history of Orientalists' and Western ideas about the Prophet goes back to the early Jewish and Christian attitude in this regard. So, to understand Western attitude towards Muhammad, it is very important to know the background, and since this background is the early approaches of Jews and Christians, this article attempts to explore these approaches. An examination of the referred early approaches towards the Prophet reveals that attitude of the Jews and Christians at first seemed somewhat positive in some respects, but soon they began to strongly oppose the Prophet. On the one hand, Jews adopted a very hostile attitude; on the other hand, Roman Christians started conflicting.

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، یونی ورسٹی آف سرگودھا
** اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاولپور
** پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، یونی ورسٹی آف سرگودھا

These attitudes became more and more severe in the times to come, until the Crusades and the period of fierce confrontation between Islam and the West, in which hatred and enmity of the West and Jews and Christians towards the Prophet reached its peak.

Key Words: Muhammad, Jews, Christians, early attitudes

حضرت محمد ﷺ سے متعلق معروف منفیانہ مغربی رویوں اور افکار و نظریات کے ضمن میں بنیادی کردار مستشرقین کا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ سے متعلق کام کرنے والے مستشرقین زیادہ تر یہود و نصاریٰ رہے ہیں۔ اس لحاظ سے حضور ﷺ سے متعلق استشراقی و مغربی افکار و نظریات کی تاریخ حضور ﷺ سے متعلق یہود و نصاریٰ کے ابتدائی طرزِ فکر و عمل تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ یہ جاننے کے لیے کہ سیرت محمدی ﷺ اور شخصیتِ نبی آخر الزمان ﷺ سے متعلق مغرب کا رویہ کیا رہا ہے؟ انھوں نے مختلف ادوار میں اسے کیسے سمجھا اور دیکھا پڑھا اور کیسے دوسروں کو سمجھانے اور دکھانے پڑھانے کی کوشش کی؟ آپ ﷺ سے متعلق مغربی افکار و نظریات کا پس منظر جاننا از حد ضروری ہے، اور یہ پس منظر چونکہ یہود و نصاریٰ کا ابتدائی رویہ ہے، اس تناظر میں زیرِ نظر مقالے میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت یہود و نصاریٰ کا آں جناب ﷺ سے متعلق رویہ کیا تھا؟ اس ضمن میں یہ اسلوب اختیار کیا جارہا ہے کہ مختلف پہلوؤں سے اہم نکات کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے زیر بحث طرزِ فکر و عمل کے حوالے سے کتاب و سنت اور سیرت و تاریخ کے واضح اور مذکور و معلوم شواہد سے استدلال کیا جائے۔

بعثت سے قبل ایک نبی کا انتظار اور اس کی علامات سے متعلق تذکرے

آں جناب ﷺ کے بعثت سے پہلے اہلِ کتاب ایک نبی کے منتظر تھے، جس کے متعلق اس زمانے میں موجود لوگوں کی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضور ﷺ ہی تھے۔ بعثت سے قبل جب یہودیوں کی بت پرستوں وغیرہ سے لڑائی ہوتی تو یہودی کہا کرتے کہ ایک نبی آنے والے ہیں، جب وہ تشریف لے آئیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم لوگوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کریں گے۔ یہی نہیں بلکہ یہودی دعا کیا کرتے کہ یا اللہ آنے والے کو جلد بھیج تاکہ ہم تیرے اور تیرے دین کے دشمنوں کو انجام تک پہنچا سکیں۔ وہ لوگ جن کے خلاف یہودی نبی کے توسط سے جنگ اور مقابلے کی باتیں کیا کرتے تھے، ان کی گواہیاں بھی تاریخ میں رقم ہوئی ہیں کہ یہودی ہم کو دھمکاتے تھے کہ جب وہ آنے والا نبی آئے گا تو ہم تم کو سبق سکھائیں گے۔ اس تناظر میں قرآن حکیم نے ان کے رویے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا: وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا۔[1] "اور اس سے پہلے وہ کفار کے مقابلے میں آپ کے توسط سے فتح مانگتے تھے۔"

اچھی طرح پہچان لینے کے باوجود انکار

[1] البقرہ2: 89۔

یہود و نصاریٰ کا ایک رویہ یہ سامنے آتا ہے کہ ان کا انکار ناواقفیت یا نا فہمی پر مبنی نہیں تھا، بلکہ وہ حضورﷺ کو ایک ایسے نبی کے طور پر اچھی طرح پہچانتے تھے، جس کی آمد کا ان کے صحف میں وعدہ کیا گیا تھا، لیکن اس کے باوجود ضد اور حسد کی بنا پر انکار کرتے تھے۔ قرآن کی متعدد آیات سے اس حقیقت کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ مثلاً: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ۔ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ۔[2] "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے ،وہ اسے ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ،اور بلاشبہ ان میں ایک گروہ حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے۔" اور یہ بات کہ اہلِ کتاب آں جنابﷺ کو ایسے جانتے تھے، جیسے اپنے بیٹوں کو، صرف قرآن میں ہی بیان نہیں ہوئی، متعدد تاریخی شواہد سے بھی اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ قرطبیؒ کے مطابق: روی ان عمر قال لعبداللہ بن سلام:اتعرف محمداً ﷺ کما تعرف ابنک؟فقال :نعم و اکثر۔[3] "روایت ہے کہ حضرت عمر نے عبداللہ بن سلام سے کہا: کیا تم محمدﷺ کو اسی طرح جانتے ہو جیسے اپنے بیٹے کو جانتے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! بلکہ اس سے زیادہ!" اس بیان کی صداقت کی گواہی اس واقعے سے بھی ملتی ہے، جو عبداللہ بن سلام کے ایمان لانے کے حوالے سے کتب سیر و تاریخ میں ان کی اپنی زبانی مذکور ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایمان لانے کے بعد یہود کو خبر ہونے سے پہلے میں نے حضورﷺ سے عرض کیا کہ یہود بہت جھوٹے اور بہتان طراز ہیں۔ اگر ان کو میرے مسلمان ہونے کا پتہ چل گیا تو بہتان اور عیب لگائیں گے۔ آپ مجھے خفیہ رکھتے ہوئے ان سے میری حیثیت سے متعلق دریافت کریں۔ چناں چہ میں پردے میں رہا اور حضورﷺ نے یہود سے میرے متعلق دریافت کیا، تو انھوں نے کہا: وہ ہمارا سردار، سردار کا بیٹا اور بہت بڑا عالم ہے۔ جب یہ باتیں کر چکے تو میں باہر نکل آیا اور ان سے کہا: اے یہود! اللہ سے ڈرو اور تمھارے پاس جو پیغامِ حق آیا ہے، اسے قبول کر لو۔ اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ آپﷺ اللہ کے رسول ہیں، تم آپ کا نام اور آپ کی صفات تورات میں لکھی پاتے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر انھوں نے مجھے کاذب ٹھرانا شروع کر دیا اور ایمان نہ لائے۔[4]

اسی حوالے سے ایک نمایاں شہادت اس واقعے کی ہے جس کے مطابق غزوۂ بنو قریظہ میں قریظہ کے ہتھیار ڈالنے پر ان کے سردار کعب بن اسد نے ان کے سامنے تین میں سے ایک آپشن یہ پیش کیا تھا کہ وہ ایمان لے آئیں اور اس کے حق میں دلیل دیتے ہوئے کہا تھا: فواللہ انکم لتعلمون انه الذی تجدونه مکتوباً فی کتابکم۔[5] "اللہ کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ وہ وہی ہے جسے تم اپنی کتاب میں لکھا پاتے ہو۔"

---

[2] البقرہ2: 146۔

[3] ابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ ،الجامع لاحکام القرآن، تحقیق۔الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی (بیروت : موسسہ الرسالہ،2006ء/1427ھ)،2: 447۔

[4] دیکھیے: ابن ہشام،السیرۃ النبویۃ(بیروت: دار لکتاب العربی،1990ء/1410ھ)،2: 158-159۔

[5] القرطبیؒ،الجامع لاحکام القرآن،17: 84۔

ہر صورت دشمنی و مخالفت کی کوشش

یہود و نصاریٰ کے حضور ﷺ سے متعلق ابتدائی رویے کا ایک پہلو یہ ہے کہ انھوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ آپ ﷺ کی ہر صوت مخالفت ہی کرنی ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کو اپنے مذہب و عقیدے کے ساتھ کسی صورت برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ آں جناب ﷺ اور آپ کے پیروکار اسلام کی بجائے ان کے طریقے اور مذہب کی پیروی کرنے لگیں۔ قرآن کا ارشاد ہے: وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ۔[6] " یہودی اور مسیحی آپ سے کبھی راضی نہ ہوں گے، یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کا اتباع کرنے لگیں۔"

بعض عیسائیوں کے ابتدائی مثبت رویے

حضور ﷺ سے متعلق عیسائیوں کے رویے کو دیکھا جائے تو اس میں ابتدا میں کچھ عرصہ مثبت رویے سامنے آتے ہیں۔ بعثت کی ابتدا میں صاحب فہم و فراست عیسائیوں کے مثبت رویے اور آپ ﷺ کو ایک نبی کی حیثیت سے پہچاننے والے لوگوں میں ایک نمایاں نام ورقہ بن نوفل کا ہے اور یہ عیسائی تھے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم انفرادی سطح پر سلیم الطبع عیسائیوں کے نزدیک آپ ﷺ کا مشن کوئی اچنبھا نہیں تھا، جس کی مخالفت کی جاتی، بلکہ یہ گذشتہ انبیا، جس میں بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت مسیح علیہ السلام بھی شامل تھے، کے مشن کا ایک تسلسل تھا، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں نے اسے اپنی دشمنی پر محمول کرنے کی بجائے اپنے مذہب کی مدد و نصرت کی شکل میں دیکھا۔ ورقہ بن نوفل کا رویہ اسی حقیقت کا عکاس تھا۔ اسی طرح ایک ریاست یا سربراہِ ریاست کی حیثیت میں بھی ابتداءً آپ ﷺ کی بعثت کو عیسائی مذہب و ملت کی مخالفت نہیں سمجھا گیا، مثلاً شاہ حبشہ اصحمہ بن ابجر نجاشی خود حضور ﷺ پر ایمان لے آیا تھا، اور حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی عزت و تکریم اور حفاظت کی تھی۔ شاہ روم ہرقل نے آپ ﷺ کے قاصد کا احترام کیا تھا، اور آپ ﷺ کے لیے تحائف بھیجے تھے۔

معاندانہ رویے کی ابتدا

ابتدا میں عیسائیوں کی جانب سے جو کچھ مثبت رویے سامنے آتے ہیں، وہ دیرپا نہیں رہے۔ کچھ ہی عرصے بعد ان کی طرف سے مخاصمت اور دشمنی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس سلسلے میں پہلے پہل سامنے آنے والی مخالفتوں میں وہ رویہ قابلِ ذکر ہے جو شاہِ روم ہرقل کی طرف سے اس وقت سامنے آیا، جب اس نے ابو سفیان سے حضور ﷺ کر کردار سے متعلق معلومات حاصل کیں۔ وہ ابتدا میں نرم تھا، لیکن جب اسے محسوس ہوا کہ اس کے اعیانِ سلطنت حضور ﷺ کے حوالے سے معاندانہ رویے کے حامل محسوس ہوتے ہیں، تو اس نے بھی آپ ﷺ کی دعوت کا انکار کر دیا۔

رومی عیسائیوں کی محاذ آرائی اور سلسلۂ جنگ و جدل

---

[6] البقرہ2: 120۔

کچھ عرصے بعد جب حضور ﷺ کی دعوت کا سلسلہ پھیلا اور آپ ﷺ نے دیگر ممالک کے سربراہان اور معززین کو دعوتی خطوط بھیجے تو رومی عیسائیوں کی طرف سے سخت مخالفت اور جنگ وجدل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حارث بن عمیر ازدی کو دعوتی خط دے کر بصری کے حاکم کے پاس روانہ فرمایا تو بلقا پر مامور قیصر روم کے گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ سپہ سالار کا قتل سنگین جرم اور اعلان جنگ کے مترادف تھا، چناں چہ حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کی سربراہی میں تین ہزار افراد اس علاقے کی طرف روانہ کیے، جس کا نتیجہ جنگ موتہ کی صورت میں سامنے آیا۔ اس جنگ سے رومی عیسائیوں سے جنگوں اور مخالفت کا طویل سلسلہ چل نکلا۔ یورپی مورخین بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ جنگ موتہ سے اس محاذ آرائی کا آغاز ہوا، البتہ وہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ جنگ مسلمانوں کا عیسائیوں کے خلاف ایک جارحانہ اقدام تھا۔ بہ الفاظ دیگر ان کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ جنگ شروع کر کے اسلام مسیحیت دشمنی کی بنیاد رکھی۔ مثلاً مشہور مغربی مورخ فلپ کے ہٹی نے لکھا ہے کہ اسلام اور مسیحیت کے درمیان تصادم کا پہلا فائر ان [محمد ﷺ] کی جانب سے ہوا، جس کا غصہ صدیوں کو محیط ہو گیا۔[7] ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon، 1737ء-1794ء) کے مطابق ایک سفیر کا قتل تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ سرزمینِ فلسطین پر حملے پر منتج ہوا۔[8]

غزوۂ تبوک کی بنیادیں

رومی عیسائیوں کی طرف سے ابتدائی معاندانہ رویوں میں سے ایک اہم چیز ان کی جانب سے غزوۂ تبوک کی بنیادیں اٹھانا ہے۔ اور وہ یوں کہ ایک طرف جنگِ موتہ میں رومی اپنی دو لاکھ فوج کے باوجود تین ہزار مسلمانوں کو کچلنے میں ناکام رہے تھے، اور ان پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ مسلمان ایک غیر معمولی خطرہ ہیں؛ بہت سے قبائل مسلمانوں کی طاقت سے مرعوب ہو گئے تھے اور اسلام کی ہم نوائی اور رومی تسلط سے آزادی کے خواہاں دکھائی دینے لگے تھے۔ دوسری طرف موتہ کے چند ماہ بعد مکہ فتح ہو گیا تھا، اور عرب کے اندر مسلمانوں کی سب سے بڑی مخالف طاقت ہتھیار ڈال کر مطیع ہو چکی تھی۔ یہ صورت حال قیصرِ روم کے لیے سخت تشویش اور خطرے کا باعث تھی۔ چناں چہ اس نے جنگِ موتہ پر ایک سال بھی نہ گزرنے دیا اور رومیوں اور اپنے ماتحت غسانی عربوں وغیرہ پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلمانوں کو کچلنے کی ٹھان لی۔ مدینے میں مسلمانوں کو پے در پے خبریں آ رہی تھیں کہ رومی ان کے خلاف ایک بہت بڑی جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ چناں چہ مسلمانوں کو ہر وقت رومیوں اور غسانیوں کے حملے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کوئی بھی غیر

---

[7] P. K. Hitti, *History of the Arabs* (London: Macmillan, 1968), 147.

[8] Edward Gibbon, *The History of the decline and fall of the Roman Empire* (New York: The Modern Library, 2003), 2: 688.

مانوس آواز سن کر مسلمان فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے اور سمجھتے کہ رومیوں یا غسانیوں کا ریلا آگیا۔[9] رومیوں کی جنگی تیاریوں کی دیگر خبروں کے ساتھ ساتھ ایک اچانک خبر شام سے تیل لے کر آنے والے نبطیوں سے یہ معلوم ہوئی کہ ہرقل نے چالیس ہزار کا لشکرِ جرار تیار کیا ہے اور عیسائی قبائل لخم وجذام وغیرہ کو بھی جمع کر لیا ہے، اور ان کا ہراول دستہ بلقا پہنچ چکا ہے۔ان حالات میں دینِ اسلام کی نشر واشاعت اور اعلائے کلمتہ اللہ کے لیے اب تک کی گئی ان تھک کوششوں پر پانی پھر جانے، اس ضمن میں اب تک حاصل کی گئی کامیابیوں کے ناکامیوں میں بدل جانے، حتیٰ کہ مسلمانوں کے وجود کے مٹ جانے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا اس سے چشم پوشی نہ کی جاسکتی تھی۔ سو آپ ﷺ نے رومیوں کے خلاف اقدام کا فیصلہ کیا، جس کا نتیجہ غزوۂ تبوک کی صورت میں برآمد ہوا۔ البتہ مستشرقین اور مغربی اہلِ قلم کی جانب سے الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ جنگ بھی مسلمانوں نے مسلط کی تھی، حالانکہ بہت سے شواہد اس الزام کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ غزوۂ تبوک کے رومیوں پر خواہ مخواہ مسلط کیے جانے کے خیال کی تردید اس واقعاتی شہادت سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں مسلمان قحط سالی اور تنگی میں مبتلا تھے، سخت گرمی کا موسم تھا، نیز پھل پکے ہوئے تھے اور ان کے اتارے جانے کے دن تھے۔لوگ نہ چاہتے تھے کہ فوری جنگ ہو، پھر راستہ بھی بہت طویل اور مشکلات سے پُر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کو خصوصی طور پر مسلمانوں کو اس غزوے کے لیے ترغیب دینا پڑی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بہت ترغیب کے باوجود بھی بعض لوگ اس میں شریک نہ ہوئے۔ پھر اس جنگ میں مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا رہا۔ انھیں بھوکے پیاسے رہنا پڑا۔ بھوک مٹانے کے لیے درختوں کے پتے اور پیاس بجھانے کے لیے اونٹوں کی چربی استعمال کرنی پڑی۔ تبوک کے جانے والے لشکر کی تنگی و عسرت کی بنا پر اس لشکر کا نام ہی جیشِ عسرت پڑ گیا تھا۔اس سے واضح ہے کہ اگر مسلمانوں نے رومیوں پر شوق سے جنگ مسلط کرنا ہوتی، تو کم از کم اس زمانے میں تو ہرگز نہ کرتے۔ بنابریں غزوہ تبوک کے حقیقی ذمہ دار بھی رومی ہی ٹھہرتے ہیں۔

خلاصۂ بحث

مغرب کے حضور ﷺ سے متعلق افکار و نظریات اور رویوں کی تاریخ کا جائزہ لیں تو اس کی جڑیں، آں جناب ﷺ سے متعلق یہود و نصاریٰ کے ابتدائی رویوں اور طرزِ عمل میں پیوست محسوس ہوتی ہیں۔ یہود و نصاریٰ کا رویہ بالکل ابتدا میں بعض حوالوں سے کچھ مثبت نظر آتا ہے، لیکن بہت جلد ان کی طرف سے حضور ﷺ کی سخت مخالفت ہونے لگی۔ ایک طرف یہودیوں نے سخت دشمنی کا رویہ اپنا لیا تو دوسری طرف رومی عیسائیوں نے مخالفت شروع کر دی۔ یہ رویے آنے والے زمانے میں سخت سے سخت تر ہوتے گئے، یہاں تک کہ آگے چل کر صلیبی جنگوں اور اور مسلم مسیحیت شدید تصادم کا دور آیا، جس میں عالمِ مغرب اور یہود و نصاریٰ کی حضور ﷺ سے نفرت اور دشمنی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

---

[9] مسلمانوں کو رومیوں کے حملے کا جس شدت سے خطرہ درپیش تھا اس کا بخاری کی بعض روایات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ دیکھیے:

البخاری، 2: 730؛ 1: 334۔